چند قواعد فقہیہ کی وضاحت

علامہ ابوالعرفان محمد انور مکھالوی

(قسط ۷)

قاعدہ نمبر ۳۳:

"دَرْءُ الْمَفَاسِدِ اَوْلٰی مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ"

(جلب مصلحت کی نسبت مفاسد کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے)۔

یعنی اگر ایک ہی عمل کے کچھ منافع اور کچھ مفاسد ہوں تو پھر اس سے منافع اور فوائد حاصل کرنے کی بجائے اس کے مفاسد اور نقصانات کا ازالہ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ کیونکہ شریعت نے مامورات کی نسبت منہیات کا اہتمام زیادہ کیا ہے اور بار بار ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ"

(جب میں تمہیں کسی شئی کا حکم دوں تو تم اپنی طاقت کے مطابق اسے بجالاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو پھر اس سے رک جاؤ)۔

اسی طرح ایک اور ارشاد گرامی ہے:

"لَتَرْکُ ذَرَّةٍ مِمَّا نَهَی اللّٰهُ عَنْهُ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَیْنِ"

(جس ذرہ سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اسے چھوڑ دینا دونوں جہان کی عبادت سے افضل ہے)۔

ان ارشادات عالیہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ امر کے مقابلہ میں نہی کو ترجیح حاصل ہے۔

مثالیں:

۱۔ استنجاء کے لئے ایسی باپردہ جگہ کا ہونا ضروری ہے جہاں آدمی کا ستر عریاں ہونے سے مکمل طور پر محفوظ ہو اور اگر ایسی جگہ میسر نہ آئے تو استنجاء نہ کرنا مباح ہے اگرچہ آدمی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ کھڑا ہو کیونکہ لوگوں کی موجودگی میں ستر کا اہتمام کرنا بالاجماع واجب ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: "اِذَا کَانَ خَارِجَ الصَّلٰوۃِ یَجِبُ السَّتْرُ بِحَضْرَۃِ النَّاسِ اِجْمَاعًا" (ردالمحتار، ج۱،ص۲۸۲)

۲۔ کلی اور ناک میں پانی ڈالتے وقت مبالغہ کرنا سنت ہے لیکن روزے دار کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہے اور کراہت کی علت یہ ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا سنت پر عمل کے نفع کی نسبت روزہ ٹوٹنے کے نقصان کا ازالہ کرنا اولیٰ ہے۔

۳۔ شراب کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَ اِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط" (البقرۃ،پ۲:۲۱۹)

(اے میرے محبوب!) تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے منافع بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے)۔

تو چونکہ منافع کی نسبت مفاسد زیادہ ہیں اس لئے ان کے ازالہ کیلئے شراب حرام قرار دی گئی۔

قاعدہ نمبر ۳۴:

"اِذَا تَعَارَضَتْ مَفْسَدَتَانِ اُرْتُکِبَ اَخَفُّهُمَا وَعُدِلَ عَنْ اَعْظَمِهِمَا ضَرَرًا"

☆ بیع منابذہ یہ ہے کہ: بائع مبیع کو مشتری کی طرف پھینک دے ☆

(جب دو مفاسد (برائیاں) باہم متعارض آ جائیں تو ان میں سے اخف (کم) کو اپنا لیا جائے اور جس کا ضرر (نقصان) زیادہ ہو اس سے اعراض کر لیا جائے)۔

مذکورہ اصول پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ حالات ایسے ہوں کہ آدمی کے لئے دو مفاسد میں سے ایک کا ارتکاب کئے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہے تب "اَخَفُّ الْبَلِیَّتَیْنِ" کو اپنا لینے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔

مثالیں:

۱۔ اگر آدمی کے زخم کی کیفیت یہ ہو کہ رکوع وسجود کے ساتھ نماز ادا کرنے سے اس سے خون بہتا ہو اور اس کے برعکس اگر وہ رکوع وسجود کے بغیر اشارے کے ساتھ نماز ادا کرے تو اس سے خون رسنے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اشارے کے ساتھ نماز ادا کرے کیونکہ رکوع و سجود کو ترک کرنا بلا وضو نماز ادا کرنے کی نسبت اہون اور اخف ہے۔

۲۔ اگر کسی عورت کے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے سے اس کی کشفِ عورۃ (شرمگاہ کے ننگا ہونے) کا غالب گمان ہو جب کہ اس کے بیٹھ کر نماز ادا کرنے سے اس کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اسے چاہئے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے کیونکہ کشفِ عورۃ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی نسبت قیام ترک کرنا اخف ہے۔

۳۔ اگر ایک مضطر آدمی کے پاس مردار اور مغصوبہ مال ہی ہو۔ اگرچہ فی الحقیقت دونوں کا استعمال حرام ہے مگر حالت اضطرار میں اس کے لئے مغصوبہ مال کا استعمال بقدر ضرورت مباح ہے۔ کیونکہ مردار کی نسبت اس کی حرمت اخف ہے یہ حضرت امام طحاوی اور امام کرخی رحمہم اللہ کا قول ہے مگر بعض فقہاء نے اس کے برعکس بھی قول کیا ہے۔

۴۔ ایسے مقامات جہاں سچ بولنے سے مفاسد عظیمہ کا یقین ہو اور جھوٹ کے مشابہ تعریض کرنے سے حالات بہتر ہونے کا ظن غالب ہو تو اس صورت میں تعریضاً جھوٹ بولنا مباح ہے یہ درج ذیل صورتیں ہیں:

(۱) "فِی الْإِصْلَاحِ بَیْنَ النَّاسِ" (لوگوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے) اگر مسلمانوں

☆بیع مرابحہ: خرید کردہ شے کی قیمت بتا کر اس کو نفع پر فروخت کرنا☆

کے دو گروہ آپس میں برسرپیکار ہوں اور صورت حال اس حد تک بگڑ چکی ہو کہ سچ بات کہنے سے اختلافات کی خلیج وسیع ہونے کا یقین ہو تو ایسے حالات میں کذب بیانی سے کام لے کر انھیں ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کرنا مباح ہے کیونکہ کذب بیانی کا ضرر باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت کے ضرر کی نسبت اخف ہے جیسا کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِىْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَّيُنْمِىْ خَيْرًا" (بخاری و مسلم)

(حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے اور اچھی بات کہتا ہے اور اچھی بات پہنچاتا ہے)

یہ بھی منقول ہے کہ احیاء حق کیلئے اور ظلم و تعدی کے خاتمہ کیلئے کذب صریح بولنا بھی جائز ہے۔

(۲) "فِی الْحَرْبُ" (دورانِ جنگ جھوٹ بولنا مباح ہے) اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دورانِ جنگ اسلامی لشکر کے سپاہی لشکر کفار کی قید میں آ جائیں اور وہ انھیں اپنے ملک کے سربستہ راز افشاء کرنے اور اپنی جنگی قوت و طاقت سے آگاہ کرنے پر مجبور کریں تو ایسے حالات میں اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر ان قیدیوں پر جھوٹ بولنا واجب ہے کیونکہ اس میں ان کے وطن اور اہل وطن کی حفاظت کا راز مضمر ہے اور جھوٹ کا نقصان وطن اور قوم کے نقصان کی نسبت کہیں کم ہے۔

اسی طرح اگر مسلمان جاسوس کفار کے نرغہ میں آ جائے تو اس پر لازم ہے کہ جھوٹ بول کر دشمن کی غلط رہنمائی کرے مگر اپنے ملک کے حساس مقامات اور دیگر سربستہ رازوں پر سچ بول کر دشمن کو قطعاً آگاہ نہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں جھوٹ کا نقصان سچ کے نقصان کی نسبت قلیل ہے۔

(۳) "عَلَى الزَّوْجَةِ لِاِصْلَاحِهَا" (بیوی کی اصلاح کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے) یعنی اگر کسی کی بیوی تندخو اور درشت مزاج ہو اور خاوند کی لائی ہوئی ہر شئی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہو اور پھر اسے کم قیمت سمجھ کر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کرتی ہو نتیجتاً اس

☆ بیع سلم: قیمت پہلے ادا کرنا اور بیع بعد میں مقررہ مدت پر وصول کرنا ☆

کی یہ عادت زوجین کے مابین ناچاکی جھگڑے فساد اور عدم محبت کا سبب بنتی جارہی ہو تو ایسے حالات میں خاوند کیلئے مباح ہے کہ وہ اسے مطمئن رکھنے کے لئے کم قیمت پر لائی ہوئی چیز کی قیمت بڑھا کر بیان کرے تاکہ دونوں کے مابین محبت والفت کی فضاء پیدا ہوجائے اوران کے شب وروز راحت وسکون کے ساتھ بسر ہوسکیں۔

تنبیہ:

یاد رہے مذکورہ خاص احوال کے بغیر جھوٹ بولنا قطعاً جائز نہیں بلکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کذاب کے متعلق مختلف نوعیت کی شدید وعیدیں بیان فرمائیں، صرف دو ارشاد نبوی پیش خدمت ہیں:

(۱) "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْہُ الْمَلَکُ مِیْلاً عَنْ نَتْنِ مَا جَآءَ بِہٖ" (ترمذی شریف)

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس سے آنے والی بدبو کے سبب فرشتہ اس سے ایک میل دور ہوجاتا ہے)۔

(۲) "عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَیْمٍ اَنَّہٗ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَہٗ یَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِیْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِیْلَ لَہٗ اَیَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ کَذَّابًا قَالَ لَا" (بیہقی، مشکوٰۃ مؤطا امام مالک)

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں (ہوسکتا ہے) پھر عرض کی گئی کیا مؤمن بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہاں (ہوسکتا ہے) پھر عرض کی گئی کیا مؤمن کذاب (جھوٹا) ہوسکتا ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں)۔

قاعدہ نمبر ۳۵:

"یُکْرَہُ الْاِیْثَارُ بِالْقُرَبِ"

(عبادات میں ایثار مکروہ ہے)۔

ایسے اعمال جن کے ذریعے حقوق اللہ کی ادائیگی احسن طریقے سے ممکن ہو ان میں ایثار کا اظہار مکروہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عزالدین فرماتے ہیں:

"لاَ اِیْثَارَ فِی الْقُرُبَاتِ فَلا اِیْثَارَ بِمَآءِ الطَّھَارَةِ وَلا بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ وَلا بِالصَّفِ الْاَوَّلِ لِاَنَّ الْغَرَضَ بِالْعِبَادَاتِ اَلتَّعْظِیْمُ وَالْاِجْلَالُ فَمَنْ اٰثَرَ بِهٖ فَقَدْ تَرَکَ اِجْلَالَ الْاِلٰهِ وَتَعْظِیْمَهٗ" (الاشباہ والنظائر، ص ۱۱۹)

(اعمال قربت میں ایثار نہیں ہے وضو کے پانی، شرمگاہ ڈھانپنے والے کپڑے اور صف اول میں کھڑے ہونے میں بھی ایثار نہیں ہے کیونکہ عبادات سے مقصود تعظیم واجلال ہے پس جس نے ان میں ایثار کیا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم واجلال بجالانے کو ترک کیا)۔

مثالیں:

۱۔ شیخ ابو محمد "فروق" میں فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کے پاس نماز کے وقت صرف اپنے وضو کے لئے پانی موجود ہو اور پھر عین نماز کے وقت ایک اور ایسا آدمی آجائے جو وضو کے لئے پانی کا حاجت مند ہو تو پہلے شخص کے لئے اپنے ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے پانی دینا جائز نہیں مگر اس کے برعکس اگر ایک آدمی کے پاس صرف اپنے لئے کھانا موجود ہو اور عین کھانے کے وقت ایک سائل آجائے اور پہلے نے ایثار کا اظہار کرتے ہوئے کھانا اس کے حوالے کر دیا تو یہ بالکل جائز ہے بلکہ پروردگار عالم کے اس ارشاد گرامی کے عین مطابق "وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"۔

ایثار کی مذکورہ دونوں صورتوں میں فرق اس قدر ہے کہ طہارت اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہٰذا اس میں ایثار جائز نہیں بلکہ ہر آدمی کے ذمہ انفرادی طور پر یہ لازم ہے کہ وہ حقوق اللہ پورے خشوع و خضوع اور کامل پاکیزگی وطہارت کے ساتھ ادا کرے مگر اس کے برعکس کھانا آدمی کا ذاتی حق ہے اس لئے اس میں ایثار جائز ہے کیونکہ اس کے حصول میں انسان خود مختار ہے۔ چاہے تو اپنا حق وصول کرے اور اگر چاہے تو دوسرے کے حوالے کر دے۔

☆ بیع تولیہ: وہ بیع جو صرف ثمنِ اول کے ساتھ ہو ☆

(ایک طالب علم کیلئے اپنے ساتھی کے حق میں اپنی قرأت کی باری کا ایثار کرنا مکروہ ہے):

"لِأَنَّ قِرَاْءَةَ الْعِلْمِ وَالْمُسَارَعَةَ اِلَيْهِ قُرْبَةٌ وَّالْاِيْثَارَ بِالْقُرَبِ مَكْرُوْهٌ"

(الاشباہ، ص۱۱۹)

(کیونکہ علم پڑھنا اور اس کے حصول میں جلدی کرنا قرب کا سبب ہے اور ایثار بالقرب مکروہ ہے)۔

قاعدہ نمبر ۳۶:

"اِذَا اجْتَمَعَ اَمْرَانِ مِنْ جِنْسٍ وَّاحِدٍ وَّلَمْ يَخْتَلِفْ مَقْصُوْدُهُمَا دَخَلَ اَحَدُهُمَا فِى الْاٰخِرِ غَالِبًا"

(جب دو امر ایک ہی جنس کے جمع ہو جائیں اور دونوں کا مقصود مختلف نہ ہو (بلکہ ایک ہو) تو اکثر وہ ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں)۔

مثالیں:

۱۔ اگر کسی نے بیت اللہ شریف کے طواف کی نذر مانی اور پھر مکہ مکرمہ میں حاضر ہو کر نذر کی ادائیگی کے لئے طواف کعبہ کیا تو اس طواف کے ضمن میں اس کا طواف قدوم بھی ادا ہو جائے گا اسے علیحدہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی مگر اس کے برعکس طواف سے فارغ ہونے کے بعد اس نے فرض نماز ادا کی تو اس کے ضمن میں طواف کی دو رکعتیں ادا نہیں ہوں گی کیونکہ ان کا وجوب فرض نماز سے الگ ہے لہٰذا وہ فرض نماز کی ادائیگی سے ساقط نہیں ہوگا۔

۲۔ اگر کسی نے حالت نماز میں دورانِ قرأت آیت سجدہ تلاوت کی اور اس سے آگے تین آیات پڑھنے سے قبل اس نے نماز کا رکوع اور سجدہ ادا کیا تو نماز کے سجدہ کے ساتھ ہی سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا کیونکہ دونوں کا مقصود (تعظیم) ایک ہے۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر کسی نے ایک مجلس میں ایک ہی آیت سجدہ متعدد بار تلاوت کی اور آخر میں صرف ایک سجدہ ادا کیا تو وہ متعدد سجود تلاوت کی جانب سے کافی ہوگا۔ ہر بار کی تلاوت کے عوض علیحدہ سجدہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

☆ بیع مساومہ: خرید کردہ قیمت کا اعتبار کیے بغیر کسی شے کو فروخت کرنا ☆

اسی طرح اگر نمازی سے دورانِ نماز متعدد بار سہو ہو جائے تو آخری قعدہ میں صرف ایک بار سجدہ سہو ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے جس کے سبب متعدد سہووں اور بھولوں سے نماز میں پیدا ہونے والے نقص اور کمی کا ازالہ ہو جاتا ہے ہر سہو کے بدلے اس پر علیحدہ علیحدہ سجدہ سہو ادا کرنا لازم نہیں ہوتا۔

۳۔ اگر کسی نے ایسے اعمال کا متعدد بار ارتکاب کیا جن کے کرنے سے اس پر حد شرعی جاری کی جا سکتی ہو مثلاً زنا کرنا، شراب پینا، زنا کی تہمت لگانا اور چوری کرنا وغیرہ تو ایک عمل کئی بار کرنے کے بعد اس پر صرف ایک حد لگائی جائے گی بشرطیکہ ایک مرتبہ عمل کرنے کے بعد اس پر حد جاری نہ کی گئی ہو۔ اگر کسی پر ایک بار حد جاری کر دی گئی اور اس نے پھر اسی فعل کا ارتکاب کیا تو اسے حد بھی دوبارہ لگائی جائے گی۔

نوٹ: اگر کسی نے ایسے افعال متعدد بار کیے جن کی جنس مختلف ہو اور مقصود بھی مختلف ہو مثلاً ایک آدمی نے زنا کیا اس کی حد جاری ہونے سے قبل ہی اس نے شراب پی لی، ابھی یہ حد جاری نہیں ہوئی تھی کہ کسی پر زنا کی تہمت عائد کر دی اور ابھی اس کا فیصلہ باقی تھا کہ اس نے کسی کا سامان چوری کر لیا تو اس صورت میں افعال متعدد ہونے کی وجہ سے صرف ایک حد کافی نہیں ہوگی بلکہ ہر عمل کی علیحدہ علیحدہ حد اس پر نافذ کی جائے گی۔ کیونکہ تمام افعال کی اجناس اور مقاصد مختلف ہیں۔ اسی ضمن میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر محرم نے خوشبو لگائی اور پھر سلا ہوا کپڑا ابھی پہنا تو اس پر دونوں جنایتوں کی جنس اور مقصد مختلف ہونے کے سبب فدیہ بھی علیحدہ علیحدہ ہوگا۔

قاعدہ نمبر ۳۷:

"اَلْعِبْـرَةُ لِلْـغَالِبِ الشَّائِعِ لَا النَّادِرِ "اَوْ" اَلْأَصْلُ اِعْتِبَارُ الْغَالِبِ وَ تَقْدِيْمُهٗ عَلَى النَّادِرِ"

(اعتبار غالب اور مشہور امر کا ہوتا ہے نہ کہ امر نادر کا) یا (بنیادی طور پر اعتبار امر غالب کا ہوتا ہے اور وہ امر نادر پر مقدم ہوتا ہے)۔

"اَلشَّائِعُ هُوَ الْاَمْرُ الَّذِیْ اَصْبَحَ مَعْلُوْمًا لِلنَّاسِ وَذَائِعًا بَيْنَهُمْ وَالنَّادِرُ هُوَ الْقَلِيْلُ الْحُدُوْثُ"

☆ بیع باطل: جو بیع نہ اصل کے اعتبار سے جائز ہو اور نہ ہی وصف کے اعتبار سے ☆

(شائع سے مراد ایسا امر ہے جو عوام الناس کو معلوم ہو اور ان کے درمیان مشہور ہو۔ اور نادر وہ امر ہوتا ہے جو قلیل یعنی کبھی کبھار وقوع پذیر ہو)۔

مذکورہ تعریف کے مطابق قاعدہ کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ احکام میں ایسا امر معتبر ہوگا جو معاشرہ میں مشہور و معروف ہو اور عوام الناس اس سے واقف اور آگاہ ہوں مگر اس کے برعکس کبھی کبھار صادر ہونے والا امر شذوذ میں شمار کیا جائے گا اور احکام میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مثالیں:

۱۔ مشہور قول کے مطابق بچہ پندرہ برس کی عمر میں بالغ ہوتا ہے کہ ایک بچے میں سترہ، اٹھارہ برس کی عمر میں پہنچنے کے باوجود بلوغت کے آثار ظاہر نہیں ہوتے مگر ایسا بہت کم اور نادر ہوتا ہے اس لئے کسی پر بالغ ہونے کا حکم صادر کرتے وقت اعتبار اس کا نہیں ہوگا بلکہ مشہور قول کا اعتبار ہوگا نتیجتاً جس بچے کی عمر پندرہ سال ہوگی وہ بالغ متصور ہوگا۔

۲۔ شریعت نے ماں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ سات سال کی عمر تک بچے کی اور نو سال کی عمر تک بچی کی پرورش کرے اور اس کی علت یہ ہے:

"لِأَنَّ الْأُمَّ اَشْفَقُ وَاَقْدَرُ عَلَى الْحِضَانَةِ" (کنز الدقائق، ص ۱۵۱)

(کیونکہ ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے اور بہتر انداز میں تربیت کرنے کی قدرت رکھتی ہے)۔

اور بچوں کے لئے یہی وہ غالب عمر ہے جس میں وہ بذاتِ خود کھانے پینے کے عادی ہو جاتے ہیں اور اپنی طہارت وصفائی رکھنے کی قدرت حاصل کر لیتے ہیں اس طرح بچیاں بھی عموماً اتنی عمر تک کھانا پکانے اور دیگر گھریلو امور کی تربیت حاصل کر لیتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ عورتوں سے متعلقہ امور سے بھی کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل کر لیتی ہیں جیسا کہ حاشیہ کنز میں بھی موجود ہے:

"وَقُدِّرَ بِسَبْعِ سِنِيْنَ فَسَّرَهُ الْقُدُوْرِیُّ بِأَنْ يَّأْكُلَ وَيَشْرَبَ وَيَسْتَنْجِیَ وَحْدَهُ وَقَدَّرَهُ الْخَصَّافُ بِسَبْعِ سِنِيْنَ اِعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ لِأَنَّ الْوَلَدَ اِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ يَسْتَنْجِیْ وَحْدَهُ اَلَا تَرٰى مَا رُوِیَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ قَالَ مُرُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا، وَالْاَمْرُ بِالصَّلٰوةِ لَا

☆احتکار: لوگوں کی ضرورت کے وقت گرانی کی نیت سے غلہ کو روکنا احتکار کہلاتا ہے☆

يَكُوْنُ اِلَّا بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَى الطَّهَارَةِ" (ص ۱۵۱)

(بچوں کے لئے سات سال کی عمر مقرر کی گئی ہے صاحب قدوری نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ اتنی عمر میں بچہ اکیلا کھانے پینے اور استنجا وغیرہ کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اور ''خصاف'' نے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے سات سال عمر مقرر کی ہے کیونکہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو وہ اکیلا استنجا وغیرہ کر سکتا ہے کیا تم نے اس ارشاد نبوی کی جانب نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب وہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں'' اور نماز کا حکم طہارت پر قدرت رکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ بچوں میں یہ وہ غالب عمر ہے جس کے بعد ان کی مزید تربیت کا حق باپ کو حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ کبھی اس کے برعکس یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض بچے اتنی عمر کو پہنچنے کے باوجود بھی مذکورہ افعال کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ مگر ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے اس لئے اعتبار غالب کا ہوگا اور امر نادر کو چھوڑ دیا جائے گا یہی صورت حال بچیوں میں بھی ہے۔

"عَنْ مُحَمَّدٍ اِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ فَالْاَبُ اَحَقُّ بِهٖ وَبِهٖ يُفْتٰى فِىْ زَمَانِنَا لِكَثْرَةِ الْفَسَادِ...... وَقَدَّرَ اَبُو اللَّيْثِ بِتِسْعِ سِنِيْنَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى" (کنز الدقائق، ص ۱۵۱)

(حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب بچی حد شہوت تک پہنچ جائے تو باپ اس کی تربیت کرنے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے ہمارے دور میں فساد کی کثرت کے سبب اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا اور فقیہ ابو اللیث نے اس کے لےء نو سال کی عمر مقرر کی ہے۔ اور فتویٰ اسی پر ہے۔

گو کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ بچی اس عمر کو پہنچ کر بھی عورتوں سے متعلق معاملات سے آگاہ نہیں ہوتی مگر یہ امر نادر ہے اور اعتبار امر غالب کا ہوتا ہے۔

۳۔ مسافر کے لئے دورانِ سفر نماز قصر کرنے اور روزہ افطار کرنے کی سہولت مہیا کی گئی ہے اور اس رخصت کی علت وہ صعوبت اور مشقت ہے جو دورانِ سفر پیش آتی ہے حالانکہ دورِ جدید میں

☆ بیع مساومہ: خرید کردہ قیمت کا اعتبار کیے بغیر کسی شے کو فروخت کرنا ☆

بہتر سے بہتر آرام دہ ذرائع آمدورفت موجود ہیں جن کے سبب افطاری اور قصر نماز کی حقیقی علت (صعوبت) خاصی حد تک کم ہو چکی ہے مگر چونکہ طبائع مختلف ہیں بعض کے لئے معمولی سا سفر مشقت کا سبب ہوتا ہے جبکہ بعض افراد کے لئے طویل مسافت بھی تکلیف کا سبب نہیں بنتی تو چونکہ احکامِ شرعیہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی مفاد کے حامل ہیں اور سفر میں امر غالب یہی ہے کہ مسافر کو مشقت کا سامنا ہوتا ہے اور امر نادر یہ ہے کہ مسافر کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی، اس لئے امر غالب کا اعتبار کرتے ہوئے حکم افطاری اور قصر کا باقی رہے گا اور امر نادر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ مخاصم اور دشمن کی شہادت مقبول نہیں ہوتی کیونکہ اس میں نقصان کا ظن غالب ہوتا ہے یعنی اگر مدعی نے بطور شاہد ایسے شخص کو پیش کیا جو پہلے سے ہی مدعی علیہ سے مخاصمت اور عداوت رکھتا ہو تو اس کی شہادت معتبر نہیں ہوگی کیونکہ اس میں امر غالب یہ ہے کہ وہ ذاتی عداوت کے سبب اس کے خلاف جھوٹی شہادت دے کر اس کے لئے نقصان کا سبب بنے گا۔ جبکہ امر نادر یہ ہے کہ وہ عداوت رکھنے کے باوجود بھی فطرتی طور پر نیک اور پارسا ہو اور جھوٹی شہادت دینے سے گریز کرے مگر حکم امر غالب کے مطابق ہی لگایا جائے گا۔

اسی طرح باپ بیٹا اور میاں بیوی ایک دوسرے کے حق میں گواہی نہیں دے سکتے اور اس کی علت یہ ہے کہ ان تمام کا مفاد اور نفع باہم مشترک ہوتا ہے اس لئے اس میں غالب گمان ایک دوسرے کی رعایت کا ہے جس کے سبب جھوٹی شہادت کا ظن غالب ہے گو امر نادر یہ ہے کہ یہ افراد اپنے رشتوں اور تعلقات کی پرواہ کئے بغیر سچی شہادت دیں مگر حکم امر غالب کے مطابق ہی ہوگا۔

۵۔ سن بلوغت تک پہنچنے سے قبل بچوں کو مال و جان میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں اور اس کی علت یہ امر غالب ہے کہ ان میں اس عمر سے قبل تصرف کرنے کی صلاحیت مفقود ہوتی ہے جس کے سبب نقصان کا اندیشہ غالب ہوتا ہے جبکہ کبھی یہ بھی ممکن ہے کہ بعض بچوں میں سن بلوغت تک پہنچنے سے قبل بھی تصرف کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو اور وہ اپنے معاملات باحسن انداز سرانجام دے سکتے ہوں مگر اس کے باوجود حکم امر غالب کے مطابق ہی لگایا جائے گا۔

☆ بیع فاسد: جو بیع اصل کے اعتبار سے جائز ہو لیکن وصف کے اعتبار سے جائز نہ ہو ☆

نوٹ: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکم امر نادر کے مطابق لگایا جاتا ہے اور امر غالب لغو ہو جاتا ہے مثلاً نکاح سے چھ ماہ بعد کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہی وہ کم از کم مدت ہے جس میں ایک بچہ جنم لے سکتا ہے جیسا کہ کنز میں ہے:

"اَقَلُّهَا سِتَّةُ اَشْهُرٍ بِالْاِجْمَاعِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلاَ ثُوْنَ شَهْرًا وَقَالَ وَفِصَالُهٗ فِیْ عَامَیْنِ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ اَشْهُرٍ رُوِیَ هٰذَا عَنْ عَلِیٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا" (کنز الدقائق، ۱۵۰)

(بالاجماع حمل قرار پذیر رہنے کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ بچے کے حمل اور اسے دودھ پلانے کی کل مدت تیس ماہ ہے اور پھر فرمایا بچے کو دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے پس معلوم ہوا کہ حمل کی مدت چھ ماہ ہے یہ قول حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے)۔

چھ ماہ کے بعد بچے کی پیدائش امر نادر ہے جبکہ اس میں امر غالب یہ ہے کہ بچے کی پیدائش نو ماہ کے بعد ہوتی ہے نتیجتاً مذکورہ مسئلہ میں امر غالب یہ ہے کہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا حمل عقد نکاح سے پہلے کا ہے۔ جبکہ امر نادر یہ ہے کہ وہ عقد نکاح سے بعد کا ہے۔ مگر اس میں امر غالب کو ترک کر کے حکم امر نادر کے مطابق لگایا گیا۔ جس کے سبب بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہو گیا اور ساتھ ہی خاندان رسوائی سے اور بیوی کا سکون تباہ ہونے سے محفوظ ہو گیا۔

قاعدہ نمبر ۳۸:

"اَلْغُرْمُ بِالْغُنْمِ"

(خسارہ نفع کے ساتھ ساتھ ہی ہوتا ہے)۔

یعنی:

"اِنَّ مَنْ یَّنَالُ نَفْعَ شَیْءٍ یَجِبُ اَنْ یَّتَحَمَّلَ ضَرَرَهٗ"

☆اقرار: عاقل وبالغ کا غیر کا حق اپنے اوپر ثابت ہونے کی خبر دینا اقرار ہے☆

(بے شک جو کسی شئی کا نفع حاصل کرتا ہے اس شئی کا نقصان برداشت کرنا بھی اس کے ذمہ لازم ہے)۔

مثالیں:

۱۔ اگر دو آدمی باہم شراکت پر کاروبار کریں تو جس طرح اس کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کے وہ دونوں مستحق ہوتے ہیں بعینہٖ اسی طرح اگر اس کاروبار میں خسارہ ہو جائے تو اسے برداشت کرنا انہی دونوں کی ذمہ داری ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ منافع ہو تو دونوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر نقصان ہو تو اس کا ذمہ دار صرف ایک کو ٹھہرایا جائے۔

۲۔ اگر مشترک زمین کا کچھ حصہ قابل کاشت نہ رہے تو وہ اس کے مالکان میں انہی حصص کے مطابق تقسیم کیا جائے جن کے مطابق اس سے حاصل ہونے والی پیداوار ان میں تقسیم کی جاتی تھی۔ ایسا کرنا قطعاً درست نہیں کہ وہ بنجر زمین کسی ایک مالک کے حصہ میں شمار کرکے اسے بقیہ زمین کی اتنی پیداوار سے محروم کر دیا جائے کیونکہ مذکورہ اصول کے مطابق یہ لازم ہے کہ پہلے جس طرح اس سے حاصل ہونے والے غلہ میں وہ تمام شریک ہوتے تھے اسی طرح اب اس کے بنجر ہونے کے سبب کل پیداوار جتنی کمی واقع ہوئی اس میں بھی شریک ہوں۔

۳۔ مشترک زمین کے لئے یہ بھی اصول ہے کہ وہ تمام مالکان جو اس سے حاصل ہونے والی پیداوار وصول کرتے ہیں اس پر ہونے والے جمیع اخراجات کے بھی وہی ضامن ہوں گے۔ مثلاً فصل کاشت کرنے سے قبل اسے قابل کاشت بنانا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اس میں ہل چلانا، سہاگہ پھیرنا اور پانی وغیرہ لگانا اور زمین کی تیاری کے بعد اس کے لئے بیج کی ضرورت ہوتی ہے اور بعد ازاں وقتاً فوقتاً اسے پانی لگانا اور اس میں مناسب کھاد ڈالنا بھی ضروری ہوتی ہے اور فصل پک جانے کے بعد اُسے کاٹنے اور گہنے وغیرہ کے اخراجات بھی ہوتے ہیں تو یہ جمیع اخراجات تمام مالکان میں انہی حصوں کے مطابق تقسیم کئے جائیں گے جن کے مطابق ان میں غلہ تقسیم کیا جاتا ہے۔

۴۔ اگر کسی نے زمین خریدی تو اس کے انتقال اور رجسٹری وغیرہ کے جمیع اخراجات مشتری کے ذمہ ہوں گے کیونکہ اس سے حاصل ہونے والے تمام تر منافع کا مستحق وہی ہوتا ہے۔

بقیہ صفحہ ۸۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔